Majallah-e-Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 31, Sr.No.79, 2010, pp 07 - 26

مجلّہ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۱، اپریل۔جون ۲۰۱۰ء، شمارہ ۷۹

بے مثل زبان و بیان۔ اعجاز القرآن کا ایک نادر پہلو

ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری☆

Abstract:

Venus-like Arabic was born in the perfect state of beauty. It was developed in cosmopolitan city of Makkah al-Mukarramah and its surrounding where Arabian tribes from all over Arabian Peninsula used to gather for four months of peace. Because of interaction of various tribes and intermingling of various dialects of the Arabic language a new language took birth there which was termed as the Common Arabic Language by the modern linguists. This Common Arabic language, the language of orators and poets, was used as vehicle for the Quranic text. The miraculous part of the story is that the environment and the conditions provided for the growth of this language has never been provided for any other natural language of the world. It was done only in order to make it capable to encompass the divine meanings and pharases of the holy Qur'an. Unlike all other languages, Arabic has inherent capacity to fight all corrosive forces of time and to maintain itself as classical and modern language at the same time. Finally, it can be said that the holy Quran has made the Arabic language an immortal and everlasting language.

یہ ایک ناقابل انکار اور شک و شبہ سے بالاتر حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم ایک لازوال الہامی کتاب ہے۔ اس کا غیر معمولی اعتبار و عظمت، اس کی تازہ کاری، دائمی و غیر مختتم

☆ وائس چانسلر، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

حکمت،منفرد و بے مثل اُسلوب اور مسلسل و بے بہا معجز نمائی میں پنہاں ہے۔اقبالؒ نے قرآن کا تعارف پیش کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است وقدیم
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست
چوں بجاں دررفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود(۱)

"قرآن کریم وہ زندہ و جاوید کتاب ہے،جس کی حکمت ودانش قدیم بھی ہے اور دائمی و لازوال بھی ۔اس کی آیا ت کریمہ میں سینکڑوں نئی دنیاؤں کے بے نہایت امکانات پوشیدہ ہیں اوراس کے آنات ولمحات میں ان گنت صدیاں اور لا تعداد زمانے بند ہیں۔ جب یہ قلب و جاں میں اترتا ہے،تو انہیں زیر وزبر کر کے رکھ دیتا ہے۔جب یہ انقلاب آتا ہے،تو آدمی کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔"

انسان کے خالق نے اپنی عنایتِ بے پایاں سے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کی خاطر بعثتِ انبیا اور نزول کتب کا سلسلہ قائم فرمایا۔مختلف انبیا کومختلف الہامی کُتُب اور صحف ِسماویہ عطا ہوئے۔ان کتب وصحف میں سے ،عمومی طور پر، ہم صرف چار کتابوں سے آگاہ ہیں۔ان چار کتابوں کے اسماے مبارکہ، ان کی زمانی ترتیب کے اعتبار سے ،یوں ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن ۔ مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت میں آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، جن میں سے تین سو پندرہ کو کتابیں دی گئیں۔(۲)اِس حدیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم خودبھی اس بات کی شہادت دیتا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔(۳)

''اور کہتے ہیں کہ یہ (پیغمبر) ہمارے پاس ،اپنے رب کی طرف سے ،کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔کیا ان کے پاس

پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی ؟''

اِسی طرح قرآنِ مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی .صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی۔(۴)

''یقیناً یہ بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

قرآن وحدیث کی یہ گواہیاں اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ہیں کہ متذکرہ صدر چار معروف ومعلوم کتبِ سماویہ کے علاوہ بھی الہامی کُتُب وصحائف نازل ہوئے؛ تاہم یہ بات قطعی وحتمی ہے کہ ان ساری کتابوں میں آخری کتاب قرآنِ کریم ہے، جو نبی آخرالزمان علیہ الصلوۃ والسلام پرعربی زبان میں نازل ہوئی ۔

عربی زبان کی تاریخ پرنظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ زبان دراصل سامی زبانوں کے خاندان کی ایک نہایت محترم اور باوقارزبان ہے۔ زبانوں کی تشکیل و ترویج کا مطالعہ ایک نہایت اہم اور دلچسپ موضوع ہے۔ماہرین لسانیات نے زبانوں کو اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف خاندانوں میں بانٹ کر دیکھا ہے۔ سامی زبانیں کون سی ہیں؟ اِس سوال کا جواب جاننے کے لیے جب ہم تاریخ سے رجوع کرتے ہیں،تو ہمیں یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے :سام، حام اور یافث ۔حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد نے جو زبانیں اختیار کیں ، وہ سامی زبانیں کہلاتی ہیں اور اُن کے مذاہب سامی مذاہب۔ سامی مذاہب میں یہودیت ، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں ۔ زبانیں تشکیل و ترویج اور تعدیم کے مراحل سے گزرتی رہتی ہیں۔ سو متعدد سامی زبانوں میں سے ، بہت سی زبانوں کا وجود،گردش دوراں نے مٹا ڈالا۔ان زبانوں میں سے آج دو زبانیں مروّج ہیں۔ ایک عربی اور دوسری عبرانی ، جو اسرائیل میں بولی جاتی ہے۔قرآنِ کریم سامی زبانوں

کے خاندان کی ایک اہم زبان ،عربی میں نازل ہوا۔

قرآن کے لفظی معنی ہیں: ایسی کتاب، جو بہت زیادہ پڑھی جاتی ہو۔اِس کے معنی ایک ایسی کتاب کے بھی لیے جاتے ہیں، جو زبان پر چڑھ جاتی ہو۔(۵) یہی وجہ ہے کہ قرآن واحد ایسی کتاب ہے، جو لوگوں کو پوری کی پوری یاد ہو جاتی ہے ۔ اِس حقیقت میں کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ واحد ایسی کتاب ہے، جس کے حفاظ دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ جہاں تک باقی الہامی کتابوں کا تعلق ہے ، وہ اب دُنیا میں من وعن موجود ہی نہیں ہیں ، کیوں کہ اِن کے جو نسخے دست یاب ہیں ، وہ تحریف شدہ حالت میں ہیں۔قرآن کی عظمت کے حوالے سے یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ اِس وقت دنیا میں مذہبی تقدس کی حامل کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کا کوئی ایک بھی حافظ ڈھونڈے نہ ملے گا۔گرنتھ کا، بائبل کا، تورات کا ، ویدوں کا، اوستا کا کوئی حافظ کسی نے کبھی دیکھا؟ لیکن یہ بات کتنی حیران کن ہے کہ قرآنِ کریم کے دس دس سال کی عمر کے حفاظ، آپ عالم اسلام کے کونے کونے میں دیکھ سکتے ہیں۔ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب " الاتقان فی علوم القرآن " میں لکھا ہے کہ قرآن کا حفظ کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔(٦) گویا مسلمانوں کی بستیوں میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہونا چاہیے، جو قرآن کریم کا حافظ ہو، اور اِسے مستقلاً یاد رکھے ۔

قرآنِ کریم کے اس اجمالی تعارف کے بعد ہمیں دراصل یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے امتیازات اور خصوصیات ہیں، جو اسے دیگر الہامی اور سماوی کُتب سے ممتاز کرتی ہیں۔قرآن، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، عربی زبان میں اُترا۔عربی زبان کی تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے، وہ رسولِ کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے تک کی ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن کے نزول سے قبل، زبان کی نشو ونما اور ارتقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اہتمام کیا، وہ بھی کسی اور الہامی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔(۷)

پیغمبر گرامی ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے ،وہیں پلے بڑھے، چالیس سال کی عمر میں باقاعدہ وحیِ الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکہ معظمہ آنحضورؐ کی ولادتِ مبارکہ سے سو سال پہلے سے

ہی ایک بین الاقوامی شہر (Cosmopolitan City) کا درجہ اختیار کر چکا تھا۔ اُس وقت تک جو دنیا موجود تھی، اُس کے کونے کونے سے ؛یعنی موجودہ افریقہ کی آخری حدوں ، یورپ کے شمال ، فلسطین کے علاقوں اور چین تک سے، گرمیوں اور سردیوں میں، تجارتی قافلے آیا کرتے اور مکہ مکرمہ میں قیام کیا کرتے۔محرم الحرام، شوال ، ذیقعد اور ذوالحجہ کے مہینوں میں، جن کو اسلامی تاریخ میں حرام ، یعنی بہت ہی حرمت والے مہینے قرار دیا گیا ہے ، جزیرۃ العرب ،خاص طور پر مکہ مکرمہ کے گردونواح میں ، ثقافتی میلے منعقد ہوتے ۔ان میلوں میں ایک بڑا میلہ ''سوقِ عکاظ'' کہلاتا ہے۔ سوق کے معنی عربی میں میلے کے ہیں۔''سوقِ عکاظ'' کے علاوہ چھوٹے بڑے کئی اور بھی انسانی اجتماع ہوتے ؛جس میں پورے جزیرۃ العرب کے لوگ شریک ہوتے ،بڑے بڑے خطیب اور زبان دان آتے ، جو اپنے خطبے سناتے، بڑے بڑے شعرا آتے، جو وہاں کی شعری مجالس میں اپنے قصیدے سناتے اور یوں اُن کے ذوق ،فکر وفن اور ذہنی اپج کو مقابلے کی میزان پر تولا جاتا۔جو قصیدہ اول آتا ، اپنی شعری عظمت کے شرف کے طور پر خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ لٹکا دیا جاتا۔ یہاں لٹکے ہوئے قصائد کو عربی ادبیات کی تاریخ میں معلقات کے نام سے جانا جاتا ہے۔یعنی کعبہ کے ساتھ لٹکے ہوئے مایۂ ناز قصیدے۔ (۸)

عربوں کے مزاج کے حوالے سے یہ چیز حیران کن ہے کہ جوں ہی حرمت والے مہینوں میں سے کسی مہینے کا چاند نظر آتا،سونتی ہوئی تلواریں واپس اپنے نیاموں میں ڈال دی جاتیں ۔ گویا چار مہینے عالمِ عرب میں امن کے ایسے مہینے تھے ،جن میں کوئی شخص تجارتی قافلوں پر حملہ کر سکتا تھا نہ کسی کی جان لے سکتا تھا۔ ایسی ایسی طویل جنگیں، جو عرب قبائل کے درمیان مسلسل چالیس چالیس سال تک لڑی گئیں، مثلاً حربِ بسوس وغیرہ میں بھی ،حرمت والے مہینوں کی حرمت کا اِس قدر لحاظ رکھا جاتا کہ اوزارِحرب وضرب اتار کر سارے دشمن اکٹھے بیت اللہ کے اردگرد اپنا اپنا کاروبار کرنے لگتے ۔(۹)امن کے ان چار مہینوں میں، یونان ،مصر اور افریقہ وغیرہ دُور دراز علاقوں سے جو لوگ یہاں آئے ہوئے ہوتے، اپنا مال یہاں بیچتے اورحرام مہینوں کے اختتام سے قبل اپنے وطنِ مالوف کو واپس چلے جاتے۔ اِن چار مہینوں میں مختلف قوموں کے مختلف زبانیں بولنے والے لوگ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہتے۔یوں مکہ مکرمہ

کی زبان پر ایک ایسا اثر مرتب ہوا کہ اُس میں یونانی ، لاطینی ، ہندی اور فارسی الفاظ شامل ہوتے چلے گئے ۔ گویا اُس وقت کی عربی بہت سے معرّب الفاظ(۱۰)اور جزیرۃ العرب کے مختلف عرب قبائل کے مختلف لہجوں کے محاسن کا خوبصورت مجموعہ بن چکی تھی۔ میں لسانیات کے ایک طالب علم کے طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآنِ کریم کا متن اترنے سے پہلے، وہ زبان جس کو ہم ''اللغة العربية المشتركة ''یعنی''The Common Arabic Language '' کہتے ہیں،دراصل اُس وقت مکہ مکرمہ میں اشرافیہ،یعنی پڑھے لکھے لوگوں کی زبان تھی۔ یہی زبان سارے قبائل میں برابر پسند کی جانے والی اور شعراو خطبا کی زبان تھی۔(۱۱)

جامع اور الوہی تعلیمات پر مبنی کتاب کی زبان کو کو تائید ایزدی سے جو حالات میسّر آئے،وہ کسی اور زبان کے حصے میں نہیں آئے ۔اسی بات کو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر جیرو سلاو سٹیٹکش (Jaroslav Stetkevych)نے اپنی کتاب :The Modern Arabic Literary Language میں اپنے انداز سے یوں بیان کرتا ہے:

"Venus -like, it was born in a perfect state of beauty, and it has preserved that beauty in spite of all the hazards of history and all the corrosive forces of time."(12)

''وینس (حسن و محبت کی دیوی) کی مانند عربی بھی وقتِ ولادت ہی سے حسن ورعنائی کے اوج کمال پر تھی۔اور اس زبان نے تاریخ کی جملہ دشواریوں اور وقت کی بے رحم اور موذی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے[آج تک] اپنے حسن و جمال کی حفاظت کی ہے۔''

لسانیات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر چالیس پچاس میل کے بعد زبان کا لہجہ یا لوگوں کا Vocal Cords' Behaviour کسی حد تک بدل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں پنجابی اور اُردو زبانوں کے مختلف لہجوں میں بھی یہ حقیقت ملاحظہ کی جا سکتی ہے ۔ اُردو میں لکھنؤ کا لہجہ اور ہے، دہلی کا اور۔ پنجابی میں بھی پنجاب کے مختلف علاقوں کے مختلف لہجے ہیں۔ سیالکوٹ ،گوجرانوالہ وغیرہ کا لہجہ اور ہے ،فیصل آباد، ساہیوال وغیرہ کا اور۔ سرائیکی میں بھی اَحمد پور سلے کا لہجہ اَور ہے، ڈیرہ غازی خان کا اَور۔مثلاً ''اِدھر اُدھر'' کو ایک علاقے میں لوگ

''اُیدھر اُودھر'' کہتے ہیں، دوسرے میں ''ایتل اوتل'' اور تیسرے میں ''ایڈھے اوڈھے'' وغیرہ۔ سندھ کی حدود میں داخل ہوں تو اسی مفہوم کے لیے ''ہیڈھے ہوڈھے'' کے الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔ لسانی تبدیلی و ترمیم کی یہی صورت عربوں میں بھی موجود تھی۔ ایک علاقے یا قبیلے میں ایک لفظ کو ایک انداز سے ادا کیا جاتا اور دوسرے علاقے یا قبیلے میں دوسرے انداز سے۔ ایک لہجے کے لوگ ''ہ'' سہولت سے بولتے تھے، جب کہ دوسرے لہجے کے لوگ اس آواز کو ''الف'' سے بدل دیتے تھے؛ بالکل اسی طرح جیسا کہ اوپر'' اِدھراُدھر'' کے الفاظ کے حوالے سے پنجابی لہجوں کے اختلاف کا ذکر ہوا۔ اِسی لسانی حکمت کے پیشِ نظر قرآنِ کریم '''اللغة العربية المشتركة '' یعنی'' The Common Arabic Language ''میں اتارا گیا، جو سبھی لہجات کے محاسن کا مجموعہ تھی۔

اللغة العربية المشتركة کی ساخت، مزاج اور اجزائے ترکیبی کو سمجھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس کی جانب منسوب کتاب اللغات فی القرآن پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔عربی لسانیات میں لفظ ''لغات'' لہجات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔کتاب اللغات فی القرآن''ابن حسنون کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔اس کتاب کو چھ دہائیاں پیشتر عربی کے عظیم سکالر صلاح الدین المنجّد نے تدوین کے بعد شائع کیا۔اس مختصر کتاب میں سیدنا عبد اللہ بن عباس کتاب اللہ میں استعمال ہونے والے ۲۶۵ الفاظ کو موضوع بناتے ہیں اور ان کی رائے میں ۲۶۵ قرآنی الفاظ میں سے صرف ۱۰۴ قریشی الاصل ہیں اور باقی ۱۶۱ الفاظ جزیرة العرب کے مختلف ۲۷ قبائل سے لیے گئے ہیں۔(۱۳)

اس ضمن میں یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔امام العجلونی نے کشف الخفاء میں بیان کیا ہے کہ آنحضورؐ کی خدمت میں قبیلہ بنوسُلیم کا ایک وفد حاضر ہوا(قبیلہ بنوسلیم کی زبان قریشی لہجے سے خاصی مختلف تھی)۔آپؐ کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف فرما تھے۔ بنوسلیم کے لوگ آپؐ سے بات کرتے رہے اور آپ ان کے سوالات کے جوابات بھی دیتے رہے۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

ما قال لک وما قلتَ له لم نفهم هذا.

''بنوسلیم کے نمائندے نے آپ سے جو کچھ کہااور جو کچھ آپ نے اس سے فرمایا،ہمیں کچھ سمجھ نہیں آیا۔''

پھر کہا:

مارأيتُ افصح منک یا رسول الله فمن ادَّبک۔

''یارسول اللہ! میں نے آپؐ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں دیکھا۔آپؐ کو یہ لہجات کس نے سکھائے ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا:

ادَّبنی اللّٰه فاحسنَ تادیبی و نشئتُ فی بنی سعد.

''مجھے یہ (لہجے اور زبانیں بولنا)اللہ نے سکھایا ہے۔اور مین بنی سعد میں پلا بڑھا ہوں۔''(۱۴)

جزیرۃ العرب کے سبھی لہجات کے محاسن کا مجموعہ قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

جزیرۃ العرب کی یہی اللغة العربية لمشتركة (مشترک عربی زبان) وہاں کی اشرافیہ، ادبا اور شعرا کی زبان تھی۔اسی پاکیزہ اور منجھی ہوئی زبان میں قرآن کریم نازل کیا گیا۔ اگر کوئی اس زبان کے مقاییس اور منضبط کردہ اصولوں کے خلاف پیرایہ اظہار اختیار کرتا تو اس کا محاسبہ کیا جاتا۔ابو الطیب الغوی، مراتب النحويين میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی مجلس میں [قرآنی اسالیب کے برعکس] غلط انداز میں اپنا موقف بیان کیا،تو آپ ﷺ نے دیگر صحابہ سے فرمایا: ''ارشدوا اخاکم........'' ''اپنے بھائی (جو کج رو ہو گیا ہے) کی راہنمائی کرو'' (۱۵) سیدنا عمر بن الخطاب اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے ایسے بیسیوں واقعات ہیں جن میں آپ حضرات نے گورنروں کو خطوط یا وفود میں آنے والے لوگوں کی زبان کی اغلاط پر نشاندہی کی اور انہیں قرآنی استعمالات کی مطابقت میں لفظوں کے استعمال اور پیرایہ

اظہار اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔(۱۶) تاریخ ادب عربی کی اکثر کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی کو قرآن کریم کے کسی لفظ یا ترکیب کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو سیّدنا عمرؓ اسے مشورہ دیتے: فَتِّشُوْہ فی اشعار العرب'' اس چیز کو عربوں کی شاعری میں تلاش کرو تاکہ تم قرآن کریم کے پیرائے کو درست طور پر سمجھ سکو۔ امام شاطبی نے الموافقات میں نقل کیا ہے: ''قال عمرؓ: ایھا الناس تمسکوا بدیوان شعرکم فی جاھلیتکم فانّ فیه تفسیر کتابکم'' اے لوگو! عربوں کی زمانہ قبل از اسلام کی شاعری کے ریکارڈ کو پیش نظر رکھو کیونکہ اسی سے تم اپنی کتاب (قرآن کریم) کو [ڈھنگ سے] سمجھ پاؤ گے۔(۱۷)

یہی بات سیّدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمائی: ''الشعرديوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزله الله بلغة العربی رجعنا الی دیوانھا فالتمسنا ذلک'' یعنی شاعری ہی عربوں کی زندگی کا ریکارڈ اور دیوان ہے۔ جب ہمیں قرآن کا کوئی لفظ جو اللہ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے سمجھ نہیں آتا تو ہم عربی شاعری کی جانب رجوع کرتے ہیں اور ہمیں وہاں سے اس کا صحیح مفہوم مل جاتا ہے۔(۱۸)

عربوں کا ایک امتیازی وصف یہ بھی تھا کہ وہ زبان کے عاشق تھے۔ کسی اچھی گفتگو کرنے والے اور زبان کی باریکیوں اور نفاستوں سے آگاہ شخص کو عرب معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اِس خوبی کی بنیاد پر اُس کی بہت پذیرائی ہوتی۔ جس قبیلے میں کوئی شاعر پیدا ہوجاتا، اُس میں جشن منایا جاتا۔ اللہ کا ایک نظام اور قانونِ قدرت، جو فی الواقع انسانی نفسیات کی بڑی گہری بصیرت سے عبارت ہے، یہ رہا ہے کہ جس نبی کو جو معجزہ عطا ہوا، وہ اس کی قوم اور معاشرے کے مزاج، ماحول، نفسیات، دلچسپیوں اور مرکزِ نگاہ بننے والی چیزوں کی رعایت سے عطا ہوا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جادو کا زور تھا۔ سو حضرت موسیٰؑ کو عصا اور یدِ بیضا کی شکل میں وہ معجزہ عطا ہوا کہ جادوگر عاجز آگئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بہت چرچا تھا۔ ایسے بڑے بڑے اور فاضل اَطِبّا تھے کہ دُور ہی سے ایک آدمی کے چہرے مہرے اور چال کو دیکھ کر اُس کی بیماری کی تشخیص کر دیتے تھے؛ سو جناب مسیح

علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا کہ بیماروں کی تشخیص وعلاج تو کجا آپ مردے کو زندہ کر دیتے۔آنجناب علیہ السلام "قُم باذن اللّٰہ"یعنی :اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ، کہتے اور مردہ زندہ ہو جاتا؛ پیدائشی اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرکر انہیں بینا کر دیتے ؛ لوگوں کو بتا دیا کرتے کہ انہوں نے کیا کھایا اور کیا بچا کر رکھا ہے ۔حضورؐ کو عربوں کی زبان آوری کی رعایت سے قرآن کی صورت میں ایسا معجزانہ کلام عطا ہوا کہ اسے سن کر بڑے بڑے زبان دان اور شعرا وخطبا دنگ رہ گئے ،اور اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ؛ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بڑے بڑے شعرا کے قصیدے اوّلیت کا شرف پا کر خانۂ کعبہ کے ساتھ آویزاں ہونے کے مستحق قرار پاتے تھے ؛ جب آپؐ پر سورۃ الکوثر اُتری :

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ . اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ.(۱۹)

"بے شک ہم نے آپ کو کوثر عنایت فرمائی ہے،۔پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔بلا شبہ تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔"

تو حضورؐ نے اِس سورہ مبارکہ کو لکھوا کر کعبہ کے ساتھ آویزاں کر دیا۔کسی عرب شاعر نے یا بہت بڑے عربی دان نے، ایک چوتھی لائن کا اضافہ بایں الفاظ کیا:

اِنَّ هٰذَا لَیسَ بِکَلامِ البَشَر ۔

"یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے"۔(۲۰)

یہ پذیرائی ،قرآنِ عظیم کا یقینی حق تھا۔قرآن کی صداقت اور فصاحت و بلاغت کے حوالے سے تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان، عتبہ، شیبہ اور قرآن کے بڑے بڑے دشمن بھی، راتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے ہوئے، چپکے چپکے آکے سنتے اور ایسی فصیح و بلیغ زبان پر سر دھنا کرتے۔(۲۱) اُن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ ہرگز کسی انسان کا کلام نہیں،لیکن یہ محض اُن کی ہٹ دھرمی تھی کہ زبان سے اِس حقیقت کا اقرار نہ کرتے تھے ۔ ایمان اور تسلیم کی خُو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ توفیق الٰہی ہی سے ارزانی ہوتی ہے۔ ان

لوگوں کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی۔قرآن لوگوں کو کس زبردست انداز سے متاثر کرتا تھا؟ اس حوالے سے مسلم ادبیات کے صفحات کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔حبشہ کا عیسائی بادشاہ اصحمہ نجاشی حضرت جعفر طیارؓ سے سورہ مریم کی چند آیات سن کر اشکبار ہو گیا تھا۔حضرت عمر فاروقؓ جو حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے تھے، قرآن کریم کی چند آیات سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ۔عتبہ بن ربیعہ کفار کی طرف سے دنیاوی لالچ پیش کرنے کی غرض سے حضورؐ کے پاس پہنچا۔حضورؐ نے سورۂ حم السجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس آ کر کفار سے کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔تم لوگ قرآن کو جادو اور شاعری کہتے ہو۔ میں جادو اور شاعری کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کر رہے ہیں ،اس جیسا کلام میں نے آج تک نہیں سنا۔ یہ جادو و شاعری سے بالکل مختلف چیز ہے۔اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است(۲۲)

”میرے دل میں جو راز پوشیدہ ہے ،فاش کیے دیتا ہوں۔ جان لو: یہ
قرآن محض کتاب نہیں کوئی بڑی ہی منفرد و بے نظیر چیز ہے۔“

حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد مرتدین کا فتنہ اٹھا ۔بہت سارے لوگ اسلام سے پھر گئے ۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال پذیرائی کو دیکھ کر کئی لوگ نبوت کے دعوے دار بن بیٹھے۔ اُن میں جو کوئی زبان دان تھے، اُنھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جبرائیل علیہ السلام ہمارے پاس آتے اور وحی لاتے ہیں ۔جھوٹے مدعیان نبوت میں سے ایک شخص مسیلمہ کذّاب تھا۔یہ شخص قرآنِ کریم اور آں جناب ؐ کا بہت بڑا دشمن تھا۔اس نے ،حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں ، دعویٰ کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اِس دعویٔ کذب و افترا پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُسے ،”حدیقة الرحمٰن“ میں، جو موجودہ ریاض کے قریب ایک علاقہ ہے،

واصل جہنم کیا۔(۲۳)اِس قسم کے دعووں کے زیرِ اثر، جھوٹی آیات و وحی کے جو متعدد نمونے سامنے آئے، یہاں ان میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے، کسی جویائے علم و تحقیق نے مزید نمونے ملاحظہ کرنا ہوں، تو وہ ابن کثیر کی کتاب 'البدایۃ والنھایۃ' کے مطالعہ سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔(۲۴) مسیلمہ کذاب نے سورۃ القارعۃ سن رکھی تھی:

اَلْقَارِعَةُ. مَا الْقَارِعَةُ . وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ . یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ . فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ . فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ . وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ . فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ . وَمَآ اَدْرٰکَ مَاهِیَهْ .نَارٌ حَامِیَةٌ .(۲۵)

> ''کھڑکھڑانے والی ۔کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟اور تمھیں کیا معلوم کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟(وہ قیامت ہے)جس دن لوگ یوں ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔اور پہاڑ یوں ہو گے جیسے رنگ برنگ کی دھنکی ہوئی اون۔تو جس کے (اعمال کے)وزن بھاری ہوں گے ،وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔اور جس کے وزن ہلکے نکلے،اس کا مرجع ہاویہ ہے،اور تمھیں کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ آگ ہے بھڑکتی ہوئی۔''

اِس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے ،اور انسانوں پر واضح کیا گیا ہے کہ یہاں اُن کا قیام مستقل نہیں ہے اورعنقریب وہ دِن ظاہر ہونے والا ہے، جب انسان پتنگوں کے مانند اڑتا پھرے گا، اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوا کے دوش پر سوار ہوں گے۔ مسیلمہ کذّاب سے جب لوگوں نے استفسار کیا کہ اُس پر کیا وحی نازل ہوئی ہے؟ تو اُس نے نے کچھ عبارات گھڑ کر اپنی وحی کے طور پر پیش کیں ۔(۲۶) سورۃالقارعۃ کے آہنگ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس نے جو الفاظ گھڑے، وہ کچھ یوں ہیں:

''الفیلُ .ما الفیل . وما ادراک ماالفیل . لهُ خرطومٌ طویلٌ ولهٗ ذنب قصیر.''(۲۷)

''ہاتھی، تمھیں کیا معلوم کہ ہاتھی کیا ہوتا ہے؟ تم کیا جانو کہ ہاتھی کیا ہے؟ اُس کی لمبی سونڈ اور چھوٹی سی دُم ہوتی ہے۔''

یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بچے ٹوٹ بٹوٹ کی کہانیاں سنتے ہیں۔کہاں یہ فضول و لا یعنی تک بندی اور کہاں قرآن !ایک معمولی سا صاحبِ فہم بھی اس عبارت کو قرآن کے مقابل دیکھ کر اِس کی ہنسی اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔قرآن نے اپنے بے نظیر کلام ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے چیلنج کیا تھا:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ.(۲۸)

''اوراگر تمہیں اس(کلام)میں ،جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ، کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔

اور(اس کام کے لیے)اللہ کے علاوہ، اپنے حمایتیوں اور مددگاروں کو بھی بلا لو،اگر تم سچے ہو۔''

لیکن قرآن کی صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے کہ گزشتہ ساڑھے چودہ سو برس میں ایک بھی ایسی تحریر پیش نہیں کی جا سکی ، جو فکری و فنی محاسن کے اعتبار سے کسی بھی طرح قرآن کے برابر کہی جا سکے۔ یہاں قرآن کے معارضہ کی جدید کوششوں اور ان کی ناکامی کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۹۷۲ء میں مصر میں دارالمعارف نے الانجیل للقدیس متیؒ کے نام سے انجیل متّی(Gospel of Mathew) کا عربی ترجمہ شائع کیا۔ یہ ترجمہ پروفیسر زکی شنودہ،ڈاکٹر مراد کامل،ڈاکٹر باھور لبیب اور پروفیسر حلمی مراد ایسے بڑے بڑے مسیحی عرب ادیبوں (۲۹) پر مشتمل ایڈیٹوریل بورڈ نے تیار کیا۔ اس ترجمہ کے لیے قرآنی ذخیرہ الفاظ کا سہارا لیا گیا۔ اور پورے ترجمہ میں ساری عبارتیں قرآنی اسلوب کی نقالی کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ سے

ترتیب دی گئیں ۔ اور یوں گویا انجیل متیؑ کو قرآن کے مقابل لانے کی کوشش کی گئی۔لیکن بایں ہمہ قرآن اورالانجیل للقدیس متیؑ میں بعد المشر قین صاف ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۔چند مثالیں دیکھیے :

قرآن کریم میں ہے:

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا .(۳۰)

انجیل مقدس میں نقل کیا گیا ہے:

وحین اتوا الی البیت رأوا الصبیَّ مع مریم،فخرّوا وسجدوا له.(۳۱)

درج ذیل آیت میں قرآنی اسلوب ملاحظہ ہو:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ.(۳۲)

انجیل مقدس میں قرآنی انداز اپنانے کی کوشش یوں کی گئی:

وضرب لهم مثلاً آخر.(۳۳)

سورہ لقمان کی حسب ذیل آیت میں اسلوب قرآنی ملاحظہ ہو:

اِنَّهَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ .(۳۴)

انجیل مقدس میں حبّة خردل کی ترکیب ملاحظہ فرمائیں:

یشبه ملکوت السماوات والارض حبّة خردل.(۳۵)

علامہ طنطاوی جوہری، جو ۱۹۲۰-۲۱ء کے لگ بھگ فوت ہو گئے تھے، 'جواہر القرآن' میں لکھتے ہیں کہ فرانس میں مستشرقین کی بہت بڑی کانفرنس ہوئی، جس میں اُنھوں نے کہا کہ آپ کے پاس قرآن کے Un-immitable ہونے کی کیا دلیل ہے۔علامہ جوہری نے

مستشرقین کو جواب دیا کہ مجھے اِس تصوُّر کو عربی میں ڈھال دیجیے کہ جہنم بہت وسیع ہے، یہ کبھی نہیں بھرے گی ،تو سارے مستشرق جو عربی زبان کے جید علما تھے، اُنھوں نے اپنے اپنے طور پر اس تصوُّر کو عربی میں بیان کیا کہ : "لن تملاء جھنم "جہنم کبھی نہیں بھرے گی؛ "اِن الجھنم واسعة"، جہنم بہت وسیع ہے؛ "اِ ن الجھنم لواسعة" یقیناً جہنم بہت وسیع ہے۔"ان الجھنم کبیرة جداً" یقیناً جہنم بہت بڑی ہے۔دس پندرہ پیرایوں میں انھوں نے اِس خیال کو عربی میں بیان کیا، تو علامہ طنطاوی جوہری ، مستشرقین سے گویا ہوئے کہ اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ قرآنِ کریم نے اس تصوُّر کو کس طرح بیان کیا ہے۔قرآن کہتا ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ .(۳۶)

''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی؟ اور وہ گویا ہوگی: کیا کچھ اور بھی ہے؟''

کوئی مستشرق وُسعت کے اِس تصوُّر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اُنھوں نے اِس بات کو تسلیم کیا کہ اس کتاب سے زیادہ بلیغ کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے۔(۳۷)

یہاں ایک پہلو اور غور طلب ہے کہ دنیا کی ساری پُرانی زبانیں رفتہ رفتہ زمانے کی دستبرد کا شکار ہوتی گئیں۔ مثلاً؛ برصغیر کے قدیم زمانے میں ہند میں سنسکرت کا طوطی بولتا تھا؛ لاطینی زبان پورے سینٹرل یورپ میں بولی اور سمجھی جاتی تھی؛ اِسی طرح کسی زمانے میں یونانی زبان کا بڑا چرچا تھا۔یہ ساری زبانیں اپنی موت آپ مر گئیں ،اور اِن کا رواج متروک ہوگیا؛ مگر عربی زبان اپنے تمام تر شکوہ اور توانائی کے ساتھ قائم و دائم ہے ۔ دیگر زبانوں کے معدوم ہوجانے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان ساری زبانوں کو دراصل قرآن جیسی کسی کتاب کی سرپرستی حاصل نہ ہوئی۔قرآن کے اعجاز کا ایک بہت بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ اِس کے وسیلے سے عربی زبان آج تک اُسی طرح تروتازہ ہے، جیسے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھی ۔زبانوں کی تبدیلی کا احوال ملاحظہ کریں تو قرآن کے اعجاز کا یہ پہلو روز روشن کی طرح عیاں

ہو جاتا ہے۔عربی کے علاوہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو ساڑھے چودہ سو سال تو درکنار ،صرف تین چار سو سال تک بعینہ اپنی حالت پر قائم رہ سکی ہو۔آج کی سب سے ترقی یافتہ اور بین الاقوامی زبان انگریزی ہی کو دیکھ لیجیے۔انگریزی کا مشہور شاعر چوسر ،جس کی نظمیں کلاسیکل لٹریچر کے ضمن میں، ہمارے ہاں ایم ۔اے انگریزی وغیرہ کے نصاب میں بھی شامل ہیں،کی انگریزی آج کی انگریزی سے یکسر مختلف ہے ۔یہاں تک کہ آج کا کوئی بھی انگریزی دان،جس کو چوسر کی شاعری کا علم نہ ہو، یا اس نے کسی ماہر استاد سے اسے پڑھا نہ ہو،نہ صرف یہ کہ سمجھ نہ سکے گا ، بلکہ اسے کسی طرح انگریزی شاعری ہی قرار نہ دے گا۔اردو کو دیکھیں تو ولی دکنی کے زمانے کی اردو اور آج کی اردو میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔وعلی ھذا القیاس،آج دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو صرف چار پانچ سو سال سے بعینہ موجود ہو۔اس کے برعکس عربی زبان آج بھی وہی ہے ،جو نزول قرآن کے زمانے میں تھی ۔عربی زبان کے اس حیرت انگیز بقا و دوام کا راز قرآن کریم ہے ۔یہ عربی مقولہ اپنی جگہ انتہائی اہم ہے :

"لو لاالقرآن لما کانت العربیة"

''اگر قرآن نہ ہوتا تو عربی زبان بھی باقی نہ رہتی۔''

آج کے دور میں چھوٹی بڑی بائیس عرب ریاستیں ہیں؛ ان ساری عرب ریاستوں کی دفتری زبان عربی ہے اور یہ عربی بھی وہ ہے، جو قرآنِ کریم سے ماخوذ ہے۔عربی زبان کے تمام تر قواعد قرآنِ کریم سے لیے گئے ہیں۔قرآن کریم عربی زبان کی سب سے پہلی اور سب سے بلیغ کتاب ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو عربی زبان بھی موجودہ صورت میں آج باقی نہ ہوتی۔ یہ امر بذاتِ خود قرآن کے مسلسل معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ قرآنِ کریم کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۳۸)

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔''

عربی زبان میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے کہ سیکھنے، سمجھنے اور ہدایت پانے والوں کے لیے یہ کوئی مشکل زبان نہیں ہے۔قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت اسی حقیقت کو واضح کر رہی ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ.(۳۹)

''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔''

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مستشرقین نے مختلف عرب ممالک کے مقامی عربی لہجات کو الگ الگ زبان کا درجہ دلوانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔مثال کے طور پر پروفیسر John Haywood یمن میں کم وبیش بیس سال مقیم رہا اور یمن کی عربی زبان کی الگ شناخت کے لیے کوشاں رہا۔متعدد مستشرقین نے مصر، لیبیا، الجزائر، شام اور سعودی عرب جیسے ممالک کے مقامی لہجات کو الگ الگ زبانوں کے طور پر منوانے کے لیے الگ الگ کتب تحریر کیں۔چونکہ سبھی چھوٹے بڑے بائیس عرب ممالک کی دفتری زبان فصیح عربی ہی ہے، جو قرآن کے جلو میں ہمیشہ چلتی رہی ہے، چنانچہ مستشرقین کی کوئی کوشش بھی بارآور نہیں ہوئی، اور ان شاء اللہ اس کتاب عظیم کی برکت سے عربی زبان یونہی ایک زندہ زبان رہے گی۔

☆☆☆☆

حوالہ جات و حواشی

۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء، ص۱۲۱، ۶۵۴، ۶۶۹۔

۲۔ ابن حنبل، احمد، مسند ابن حنبل، بیروت، دار احیا التراث العربی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۳ء/۱۴۱۴ھ، ج۶، ص ۲۲۶-۲۲۸۔

۳۔ القرآن، طہ۲۰: ۱۳۳۔

۴۔ القرآن، الاعلیٰ ۸۷: ۱۸-۱۹۔

۵۔ الآلوسی، شہاب الدین محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن المجید والسبع المثانی، بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ، ج۱، ص۱۹۔ ابو عبید، معمر، مجاز القرآن (تحقیق، فواد سیزگین)، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۱ء/ ۱۴۰۱ھ، ج۲، ۲۷۸۔

۶۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، الریاض، مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۶ھ، ج۱، ص۱۹۹۔

۷۔ المصنف السابق، المزہر فی علوم اللغۃ وأنواعھا، مصر، عیسی البابی الحلبی وأولادہ، الطبعۃ الثانیۃ، ج۱، ص۱۲۷۔

۸۔ المرجع السابق۔

۹۔ الطبری، ابن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۸ھ، ج۱، ص۸۔۹۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، ج۱، ص۳۴۳۔

۱۰۔ ایسے الفاظ جو بدیسی زبانوں سے لے کر عربی قالب میں ڈھالے گئے ہوں۔

۱۱۔ اس موضوع کو دور جدید کے مختلف نامور عربی لغت دان شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتابوں میں زیر بحث لائے ہیں، جن میں سے خاص طور پر الدکتور صبحی الصالح کی دراسات فی فقہ اللغۃ اور الدکتور رمضان عبدالتواب کی شہرہ آفاق کتاب فصول فی فقہ العربیۃ قابل ذکر ہیں۔

12. Stetkevych, Jaroslav, The Modern Arabic Literary Language_Lexical and Stylistic Developments, The University of Chicago Press ,1970, p.1.

۱۳۔ عبد اللہ بن عباس، کتاب اللغات فی القرآن، تحقیق: صلاح الدین المنجّد، القاہرہ، ۱۹۴۶ء، ص ۵-۷۔

۱۴۔ العجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء ومزیل الالباس، دمشق، مکتبۃ الغزالی، ب۔ت، ج ۱، ص ۷۰۔

۱۵۔ مطر، عبد العزیز، لحن العامۃ فی ضوء الدراسات اللغویۃ الحدیثۃ القاھرۃ، ۱۹۸۱ء ص ۱۷-۳۶

۱۶۔ امیل یعقوب، معجم الخطأ والصواب ص ۲۲-۲۴

۱۷۔ الشاطبی، ابو اسحاق ابراھیم بن موسی الغرناطی المالکی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، القاھرہ ۲۰۰۶ء ج ۱، ص ۳۲۱۔

۱۸۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۱۲۰

۱۹۔ القرآن، الکوثر ۱۰۸: ۱-۳۔

۲۰۔ وافی، عبد الواحد، فقہ اللغۃ۔ لجنۃ البیان العربی، ۱۳۸۸ھ، ص ۱۰۸۔

ابن الانباری، محمد بن قاسم، کتاب الایضاح عن الوقف والابتداء، دمشق، ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۔

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: عمر فروخ، المنھاج فی الادب العربی وتاریخہ، بیروت، المکتبۃ العصریۃ۔

۲۱۔ القلقشندی، ابو العباس، احمد بن علی، صبح الأعشی فی صناعۃ الأنشاء، دار الثقافۃ والارشاد القوافی، الموسسۃ المصریۃ، ب۔ت، ج ۱، ص ۱۴۹۔ البیھقی، الخصائص الکبری، بیروت، دار الفکر، ب۔ت، ص ۱۱۵۔

۲۲۔ اقبال، علامہ محمد، حوالہ مذکور، ص ۶۶۹۔

۲۳۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ب۔ت، ص ۱۱۵۔

۲۴۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، بیروت، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ، ج ۵، ص ۲۸-۳۳۔

۲۵۔ القرآن، القارعۃ، ۱۰۱: ۱-۱۱۔

۲۶۔ الطبری، ابن جریر، تاریخ الطبری، بیروت، الموسسۃ العلمیۃ للمطبوعات، ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ، ج ۳، ص ۱۳۱۔

مصطفیٰ صادق ،الرافعی،اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ،بیروت ،دارلکتاب العربی، ب۔ت، ص۱۷۳۔۱۷۴۔

۲۷۔ الخطابی والجرجانی ،فی ثلاث رسائل فی اعجازالقرآن، مصر، دارالمعارف، ب۔ت، ص۵۰۔۵۵۔

۲۸۔ البقرۃ۲:۲۳۔

۲۹۔ واضح رہے کہ بہت سے عرب مسیحی ہیں، لبنان میں کم وبیش چالیس یا پچاس فی صد مسیحی آباد ہیں۔اسی طرح مصر میں بھی مسیحیوں کی کافی تعداد ہے۔

۳۰۔ القرآن،مریم۱۹:۵۸۔

۳۱۔ الانجیل للقدیس متیٰ ۲:۱۱،ص۱۲۔

۳۲۔ القرآن،یٰسین۳۶:۷۸۔

۳۳۔ الانجیل للقدیس متیٰ ۱۳:۳۱،ص۸۱۔

۳۴۔ القرآن،لقمن۳۱:۱۶۔

۳۵۔ الانجیل للقدیس متیٰ ۱۳:۳۱،ص۸۱۔

۳۶۔ القرآن، ق۵۰:۳۰۔

۳۷۔ طنطاوی، جوہری ،الجواہر فی تفسیر القرآن(بذیل سورۃ الاعراف:۱۸، سورۃ ق:۳۰)، بیروت ، داراحیاء التراث العربی ، الطبعۃ الرابعۃ،۱۴۱۲ھ۱۹۹۱ء۔

۳۸۔ القرآن ،القمر۵۴:۴۰۔

۳۹۔ القرآن، یوسف۱۲:۲۔

❀……❀……❀